R. No. 2806/57 Regd. No. 932

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

Telephone No. 22
Telegrams "ANJUMAN"

ہماری زبان

جلد ۲۲ - شمارہ ۸ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | علی گڑھ - ۲۲ فروری ۱۹۶۳ء

مولانا آزاد کے دو مکتوب، بنام چودھری خلیق الزماں

(۱)

۱۳ مارچ ۱۹۳۸ء

صدیقی!

۲۶ فروری سے برابر بیمار رہا اور اب تک بیمار ہوں۔ بمبئی میں آپریشن ہوا تھا، اس کا زخم اب تک بھرا نہیں۔ زخم کا اندمال کوئی خوبی کی بات نہیں بشرطیکہ زخم دل کا ہو۔ یہ دل کا نہیں مسوڑھے کا زخم ہے۔

ہری پورہ میں مسٹر شعیب گاندھی جی سے ملنے آئے تھے اور انھوں نے گاندھی جی سے آپ کی نسبت کچھ تذکرہ کیا تھا۔ گاندھی جی نے ان سے کہا تھا کہ مجھ سے مل لیں، لیکن ملاقات نہ ہو سکی۔ کیوں نہیں مجھے صاف صاف کھول کر جتلاتے بات کیا ہے؟ جو بات ایک لحہ میں ہو سکتی ہے اس کے لئے پیچ وخم کی راہیں کیوں اختیار کی جائیں؟ کیا آپ چاہتے ہیں گاندھی جی آپ سے گفتگو کریں؟ آپ کو بلائیں؟ اچھی بات ہے نہایت موزوں موقع کلکتہ کا ہوگا۔ ۱۹ مارچ کو یہاں آ رہے ہیں ۲۲ تک ٹھہریں گے۔ آپ صدیقی[1] سے ملنے کے لئے حسب معمول قدیم آجایئے۔ گاندھی جی آپ کو بلا لیں گے۔

اگر مقصود جواہر لال یا سوبھاش سے ملنا ہو تو ویسا لکھو اور پیچ وخم کی باتیں دل سے نکال دو۔ والسلام

ابوالکلام

(۲)

کلکتہ

۲۰ مارچ ۱۹۳۸ء

صدیقی العزیز! ایک خط لکھ چکا ہوں، کل آپ کا خط گاندھی جی کے نام دیکھا۔ مہادیو نے جواب بھیج دیا ہے۔ یہ بہتر ہوگا کہ آپ کلکتہ آجائیں۔ آپ کے ملنے کے یہ معنی نہیں ہیں اور نہ ہونے چاہئیں کہ آپ اس سلسلۂ خط وکتابت میں کوئی رکاوٹ ڈالنی چاہتے ہیں جو مسٹر جناح سے ہو رہی ہے بلکہ یہی جلد اسی سلسلے کی ایک چیز ہے۔ اور اصل مقصود اصلاح حال ہے۔ والسلام

ابوالکلام

(ماخوذ از پاتھ وے ٹو پاکستان مؤلفہ چودھری خلیق الزماں)

[1] عبدالرحمٰن صدیقی مراد ہیں، جو کلکتہ ہی میں رہتے تھے (ادارہ)

سید فضل المتین

مُراد علی ہوشیار (بیمار)

"ہماری زبان" بابت یکم فروری ۱۹۶۳ء میں محسن سروری صاحب کا مضمون "دکن کے ایک شاعر مراد علی بیمار کی دو غزلیں" شائع ہوا ہے۔ مراد علی بیمار کے متعلق کسی قدر تفصیلی معلومات اور اُن کے حالات زندگی اور طرز طبیعت اور تصنیفات پر روشنی ڈالتی ہیں۔ "تذکرۂ شعرائے اجمیر" (غیر مطبوعہ) مرتبہ خواجہ حسنی اجمیری[1] سے اخذ کر کے ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں۔

(حسن دوم)

مراد علی ہوشیار۔ بیمار۔ عہد جوانی میں اجمیر آئے۔ "یادگار مراد علی" میں آمد اجمیر کی تاریخ لکھتے ہیں:-

"۵ ماہ جولائی ۱۸۸۴ء کو دن کے آٹھ بجے ہم ہواری شتر پر شہنواداقی کی ہمراہ دونوں آگئے ہوئے آ کر عمل کے راستہ سے داخل اجمیر ہوئے"

اجمیر پہنچ کر کچھ عرصہ بعد "راجپوتانہ گزٹ" نامی ایک ہفتہ وار اخبار کی ایڈیٹری شروع کی اور مطبع "چراغ راجستھان" قائم کیا۔ اسی زمانہ میں "انجمن حامی اسلام" اجمیر نے بھی ایک رسالہ "رہنما" نکالا اور اس کی ایڈیٹری بھی مولوی صاحب ہی کے ذمہ تفویض ہوئی۔

مولوی صاحب کی تیغ زبان کے زخموں سے اجمیر کا شاید ہی کوئی خاندان یا کوئی معزز فرد زخمی نہ ہوا ہو۔ ورنہ اس ناوک انداز طعن و تشنیع نے اپنی جانب سے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی بلکہ بعض بعض لوگوں کو تہذیب کی آنکھیں بند کر کے دریدہ دہنی کے ساتھ وہ بے نقط صلواتیں سنائی ہیں کہ عیاذاً باللہ۔

مولوی صاحب کا طرز تحریر ہمیشہ شوخی، شرارت اور تمسخر کا انداز لئے ہوتا تھا۔ "انجمن حامی اسلام" اجمیر کے ترجمان رسالہ "رہنما" بابت جولائی ۱۸۹۹ء میں بحیثیت ایڈیٹر رسالہ اپنے ایک مضمون کے ضمن میں لکھتے ہیں:-

"ویدک دیجے پترکے نمبر ۱ بابت ماہ اگست میں بجائے اس کے کہ ہمارے سوالات مندرجہ رسالہ انجمن حامی اسلام اجمیر کا معقول جواب بدلائل علمی لکھا جاتا وہ جھگڑا بازی کی بیٹھک دا ہو واہ! ساری قلمی لیاقت اور متانت کی کھول کر رکھ دی۔ کیوں نہ ہو ہم نے تو پوتڑوں ہی میں ان کی صورت کو دیکھ کر کہہ دیا تھا ؎

رکھا نام ویدک دیجے ہوشیار
یہ لونڈا ہے گستاخ چالاک چمار

اس حماقت کو دیکھیے کہ رسالہ نکالا تو اردو میں اور نام رکھا
رکھا سنسکرت سے ملتی جلتی بھاشا میں (واہ رے تعصب)
جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انجان لوگ (نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو بھی)
ویدک دیجے پترکو دیجے پترکو (پتھر) پڑھتے ہیں۔ پتھر پڑیں عقل پر۔
ایسے ہی دیوناگری کے عاشق زار اور اُردو سے عار رکھنے تھے
تو ہے پترکو اُسی جھاڑ شاہی زبان میں نکالا ہوتا ہو پیچ پیچ
پڑھتے وقت چلنے میں پتھریلی سڑک کا مزا کھاتی ہے۔ یہ تو
ایسی حماقت ہے۔ جیسے کوئی رسالہ تو لکھے اُردو میں اور
دھر لکھیے سنسکرت کے الفاظ"

(مثلاً "رہنما" بابت جولائی ۱۸۹۹ء مطبوعہ چراغ راجستھان اجمیر)

دیوان۔ عہد جوانی میں دیوان مرتب ہو چکا تھا مگر چوری گیا جس کے متعلق "یادگار مراد علی" میں خود لکھتے ہیں:-

"ایک حضرت میرے مطبع میں کاپی نویس کے کام پر بمشاہرہ ... ماہوار پر ملازم ہوئے۔ شعر و سخن کا بہت کچھ ذوق و شوق رکھتے تھے۔ مگر نہ معلوم کہاں ہے۔ بندہ کا دیوان چرا کر غائب غلہ کر بیٹھے۔ ہنوز دیوان چھپا نہ تھا لہٰذا تمام غزلیات اپنے تخلص سے بدل کر لکھے شیخی بگھارتے۔ غزل پڑھ کر شگفتہ ہوتے تھے اور میں افسوس کرتا تھا ؎

غافل تھا میں ہوشیار جوانی میں وگرنہ
اجمیر سے چوری مرا دیوان چلا جائے"

مصحفی مرحوم نے بھی اپنے دیوان کے گم ہو جانے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے ؎

اے مصحفی پورب میں نہیں میں ہوا شاعر
دلی میں بھی چوری مرا دیوان گیا تھا

ہوشیار مرحوم نے اپنی عبارت میں اشارۃً دیوان چرانے والے کے نام کی صراحت کر دی ہے چنانچہ "شگفتہ" کو جلی قلم سے لکھا ہے۔ ایک جگہ مولوی صاحب نے اپنی تالیف "بوستان خواجہ"[2] (سوانح عمری خواجۂ اجمیر) کی تمہید میں منشی محمد اکبر جہاں مؤلف "احسن السیر" کو منشی محمد اکبر جہاں شگفتہ لکھا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ "شگفتہ" وہی ہوں جو بحیثیت کاپی نویس بمشاہرہ دس روپے ملازم ہوئے اور "بندہ (ہوشیار) کا دیوان چرا کر غائب غلہ کر بیٹھے"

آخر عمر میں مراد علی ہوشیار ہمیشہ بیمار رہنے لگے تھے اور اسی رعایت سے بجائے ہوشیار پھر بیمار تخلص اختیار کیا۔ ۱۳۱۸ھ میں انتقال کیا اور کوہ مدار[3] کے دامن میں دفن ہوئے۔ فرحتی[4] نے تاریخ وفات کہی۔

ہزار و سہ صد و ہژدہ گذشتہ از ہجرت
بکرد عزم حضوری سید الابرار

(باقی صفحہ ۷ پر)

---

[1] تذکرہ شعرائے اجمیر عنقریب سلسلۂ مطبوعات "بزم حسنی" کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع کیا جائے گا۔ (متین)

[2] بوستان خواجہ بکتابت "معین کتب خانہ" میں موجود ہے۔ [3] "احسن السیر" کتاب سوانح خواجہ بزرگ اور حالات اجمیر پر مشتمل ہے "معینی کتب خانہ" میں موجود ہے۔ کوہ مدار اجمیر میں اس پہاڑ کا نام ہے جہاں عام روایت کے مطابق حضرت شاہ مدار چلہ کش رہے ہیں۔ [4] فرحتی۔ بہ غالب اجمیر کے کوئی مقامی شاعر ہوں گے۔ (راقم حاشیہ افضل المتین)

ہماری زبان

۲۲ فروری ۱۹۶۳ء

مولانا آزاد کی پانچویں برسی

آج مولانا آزاد کی پانچویں برسی ہے۔ مولانا کی یاد ہندوستان کے ایک جلیل القدر فرزند، قوم کے رہنما، ادیبوں کے سردار، عالموں کے سرتاج، خطیبوں میں بے مثل خطیب، انشا پردازوں میں مایۂ ناز انشا پرداز، صحافیوں میں سرخیل صحافی، مدبروں میں بڑی سوجھ بوجھ رکھنے والے کی یاد ہے۔ یہ اُس شخص کی یاد ہے جو اپنے ہندستانی ہونے پر بھی فخر کرتا تھا اور اپنے مسلمان ہونے پر بھی اور دونوں کی دولت کا ایک ذرہ بھی اپنے ہاتھ سے کھونے کو تیار نہ تھا۔ یہ اُس سپاہی کی یاد ہے جو اپنے مشن کے لئے ساری عمر لڑتا رہا، جس نے اپنوں کی مخالفت اور غیروں کی حقارت کے طعنے برابر سہے، مگر اپنے راستے پر استقلال اور پامردی سے چلتا گیا۔ یہ اُس عاشق کی یاد ہے جس نے رات کے اندھیرے میں اپنے لہو سے چراغ جلائے اور صبح کی بزم میں نسیم سحری کی طرح پھول کھلائے۔ ضرورت ہے کہ مولانا کی مثال ہر وقت ہمارے سامنے رہے۔ اُن کی آواز ہمارے کانوں میں گونجتی رہے، اُن کے نفس کی گرمی سے ہم اپنے دل کے آتش کدے روشن رکھیں۔ اُن کی تعلیم کو حرز جاں بنائیں، اُن کی زندگی سے سبق لیں اور اُن کے نقش قدم پر چلیں۔

مولانا آزاد کا کارنامہ یہ ہے کہ وہ ایک پرانی فضا سے اُٹھے اور نئی دنیا پر چھا گئے۔ اُنھوں نے ثابت کر دیا کہ بیدار ذہن رکھنے والے پرانے ہوتے ہوئے نئے بھی ہو سکتے ہیں۔ قدیم علوم کے ماحول میں پرورش پاتے ہوئے اس مرد مجاہد نے نئی زندگی اور نئے علوم کو اپنایا۔ اپنے علم سے اُنھوں نے ہندوستان کی تاریک گزرگاہوں کو روشن کیا، اپنی فکر روشن سے اُنھوں نے حال کی بھول بھلیاں میں راستہ نکالا۔ اُنھوں نے کنویں کے مینڈکوں کو سمندر کی وسعت سے آشنا کیا، گھر کی چار دیواری میں قید روحوں کو کائنات کی وسعت کا احساس دلایا۔ وہ قدیم علوم کی پختگی، اُس کے رچاؤ، اُس کی مضبوطی پر بھی زور دیتے رہے اور نئے علوم کی اہمیت اور افادیت پر بھی اصرار کرتے رہے۔

اُنھوں نے مذہب میں روشن خیالی اور رواداری پر زور دیا، سیاست میں اُنھوں نے قومیت کی شاہراہ اختیار کی، ادب کو اُنھوں نے علم کا وزن و وقار دیا۔ اُردو کو عرب کے سوز دروں اور عجم کے حسن طبیعت سے روشناس کیا۔ اُن کا رام گڑھ کا خطبہ، دہلی کی جامع مسجد میں تقریر ایسی چیزیں ہیں جن سے قوم کی تقدیر بنی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اُن کی تقریروں میں جادو ہوتا تھا۔ جادو تو معمولی چیز ہے۔ اُن کے الفاظ کبھی بجلی بن کر کڑکتے تھے، کبھی پھول بن کر مسکراتے تھے، کبھی آنسو بن کر بہائے جاتے تھے۔ ان الفاظ میں اُن کے عقیدے کی لو، اُن کی فکر کی گہرائی اُن کی شخصیت کی آن بان، اس طرح جلوہ گر ہوتی تھی کہ اُن کے سننے والے کچھ کے کچھ ہو جاتے تھے۔ جس نے تنگ نظری اور تعصب کو چھوڑ کر مولانا کی بات سنی وہ اُن کا ہو گیا۔ اور جو اُن کا ہوا وہ پھر کسی اور کا نہ ہو سکا۔

ہندوستانی قومیت پر آج خاصا مشکل وقت ہے۔ آزادی کے پندرہ سال بعد چین کے جارحانہ حملے نے ہمیں خاصی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جن قوموں کا اپنے نصب العین پر پختہ عقیدہ ہوتا ہے اور جو اپنی آزادی کی حفاظت کر سکتی ہیں، وہ ہر آزمائش سے اور مضبوط ہو کر نکلتی ہیں۔ ہاں جن کا نہ کوئی نصب العین ہے نہ آدرش، نہ جن میں اتحاد ہے نہ عمل، اُن قوموں کا خدا ہی حافظ ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ایسے نازک وقت میں اپنے رہنماؤں کو یاد کریں۔ مشکل وقت اُن پر بھی آئے تھے، جب ذرا سی غلطی سے بڑا نقصان ہو سکتا تھا، مگر اُنھیں اپنے نصب العین پر بھروسہ تھا، وہ اُس کی خاطر ہر قربانی کے لئے تیار رہتے تھے۔ ہم نے جمہوریت کا جو ڈھانچہ بنایا ہے، غیر مذہبی ریاست کا جو ڈول ڈالا ہے، سوشلزم کی منزل کی طرف جو قدم بڑھائے ہیں، امن پسندی اور ناطرفداری کا جو طریق اپنایا ہے، وہ ہمارے لئے اور دنیا کے لئے باعث رحمت ہو سکتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اس کی خاطر ہر خطرے کا مقابلہ کریں۔ گاندھی جی اور مولانا آزاد کی روحیں ہم سے اپنی منزل کی طرف بڑھنے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ اُن کی یاد سے ہم اپنے سفر کے لئے تازہ حوصلہ اور نیا ولولہ لے سکتے ہیں اور ملک و قوم کی مضبوطی اور ترقی کے راستے سے ہر کانٹا دور کر سکتے ہیں۔

دہلی میں یوم غالب

۱۸ فروری کو انجمن ترقی اُردو شاخ دہلی کے زیر اہتمام، نظام الدین میں مزار غالب پر یوم غالب منایا گیا۔ نورالدین صاحب میئر دہلی کارپوریشن نے جلسے کا افتتاح کیا، اور پنڈت ہردے ناتھ کنزرو صدر انجمن ترقی اُردو (ہند) نے صدارت کے فرائض انجام دئے۔

نورالدین صاحب نے اپنی افتتاحی تقریر میں انجمن

ترقی اُردو کی شاخ دہلی نے اس اقدام کو سراہا کہ وہ ہر سال یوم غالب مناکر غالب کی یاد تازہ کرتی ہے۔ پنڈت کنزرو نے اپنی صدارتی تقریر میں غالب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ مقامی شاعروں نے غالب کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ شاعروں اور ادیبوں کے علاوہ ممبران پارلیمنٹ نے بھی جلسے میں شرکت کی۔

انجمن ترقی اُردو حیدرآباد

انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کے اراکین کا جلسہ عام ۹ر فروری ۱۹۶۳ء کو صبح دس بجے اُردو ہال میں نواب سعید جنگ بہادر کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں حبیب الرحمٰن صاحب معتمد اعزازی انجمن ترقی اُردو نے انجمن کے کاموں کی رپورٹ اور تنقیح شدہ حسابات پیش کئے۔ آخر میں ۱۹۶۳-۶۴ء دو سال کے لئے حسب ذیل انتخابات متفقہ طور پر عمل میں آئے۔

نواب میر احمد علی خاں صاحب صدر، پروفیسر ہارون خاں شروانی صاحب نائب صدر، حبیب الرحمٰن صاحب خازن معتمد، میر عابد علی خاں صاحب شریک معتمد۔

اراکین:۔

رائے جانکی پرشاد صاحب، سید محمد یونس صاحب، ڈاکٹر سید عبدالمنان صاحب، زینت ساجدہ صاحبہ، ڈی۔ راما نج راؤ صاحب، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ صاحب، پروفیسر مسعود حسین خاں صاحب، یدہ دیر صاحب، رضیہ محمد مرزا صاحبہ، سری نواس لاہوٹی صاحب۔

محبوب نگر، کڑپہ، کریم نگر کی شاخوں سے ایک ایک نمائندہ مجلس عاملہ میں لیا جائے گا۔

بنارس میں یوم غالب

بنارس۔ ۱۵ر فروری کو غالب اکاڈمی کی طرف سے شاندار طور پر یوم غالب منایا گیا۔ مقبول احمد صاحب لاری نے صدارت فرمائی اور شری سری پرکاش جی سابق گورنر مہاراشٹر نے افتتاح کیا۔ گل پوشی کے بعد اکاڈمی کے صدر مولانا خیر بہوردی نے صدر مقبول احمد صاحب کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا جس کے جواب میں لاری صاحب نے اکاڈمی کو (۵۰۰) پانچ سو روپے مرحمت فرمائے۔ لسانیات کے پروفیسر الوپ چندر بھٹ چاریہ ہندو یونیورسٹی، سردار مولک سنگھ، سردار جگت سنگھ اور دیوی نرائن وکیل نے غالب کی شخصیت اور اس کے فن اور شاعرانہ خصوصیات پر اظہار خیال کیا۔ شعرائے کرام اور مختلف اداروں نے خراج عقیدت نذر کیا۔

صدر جلسہ کا مطبوعہ خطبہ اور سری پرکاش جی کی افتتاحی تقریر کا پُرجوش تالیوں سے خیر مقدم کیا گیا۔ شہر کے ممتاز ترین اصحاب اخبار نویس اور مختلف اداروں کے نمائندگان کی شرکت نے جلسے کی افادیت اور اہمیت بڑھادی تھی۔ اس موقع پر ایم بھارتی بنارسی کی بنائی ہوئی غالب کے چند اشعار کی تصویروں کی نمائش بھی کی گئی۔

فصاحت حسین رضوی صدر مجلس استقبالیہ نے مہمانوں کا خیر مقدم اور شکریہ ادا کیا۔

(محمد ظہیر سکریٹری)

عادل منصوری کا گجراتی دیوان: وڑانک

اُردو گجراتی کے نوجوان شاعر عادل منصوری کی گجراتی غزلوں کا انتخاب بہت جلد اناگت پرکاش ۲۲، ڈھالگرواڑ احمد آباد ۱ کی جانب سے شائع ہو رہا ہے۔

مدراس میں اُردو ڈبیٹ

آج سے ۶ سال پیشتر کالجوں کے طلبہ میں اُردو تقریر کا ذوق پیدا کرنے کے لئے اے۔ جے۔ اُردو سمینار (مدراس) کے تحت ایک تقریری مقابلے کا آغاز کیا گیا، جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے کارآمد ثابت ہوا ہے۔ اس ساتویں سالانہ ڈبیٹ میں جو ۲۴ر جنوری ۱۹۶۳ء کو ایس۔ آئی۔ ای۔ ٹی کالج میں منعقد ہوا، ذیل کے کالجوں اور یونیورسٹیوں نے حصہ لیا۔

کالجوں یا یونیورسٹیوں کے نام

اے۔ سی۔ کالج آف ٹکنالوجی (مدراس)، ایس۔ آئی۔ ای۔ ٹی۔ کالج (مدراس)، ہندو کالج (مدراس)، اے۔ پی۔ ایس۔ کالج (بنگلور)، مہاراجہ کالج (میسور)، گورنمنٹ آرٹس کالج (مدراس)، عثمانیہ کالج (کرنول)، سنٹرل کالج (بنگلور)، گورنمنٹ آرٹس کالج (کڈپہ)، ایتھراج کالج (مدراس)، اسلامیہ کالج (وانمباڑی)، جمال محمد کالج (ترچناپلی)، دہلی یونیورسٹی (دہلی)، مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ)

مباحثہ کا موضوع تھا "انسانیت کی بقا صرف اس میں ہے کہ فوجی طاقت کو انتہا پر پہنچا دیں۔"

ساہتیہ سنگم کا اعزازی جلسہ

رائے بریلی ساہتیہ سنگم (اُردو اور ہندی کے ادیبوں کی انجمن) کی طرف سے ایک ادبی جلسہ جناب رام لال کی صدارت میں ہوا۔ ذکی رضا نے مہمان ادیبوں کا حاضرین سے تعارف کراتے ہوئے ساہتیہ سنگم کی ادبی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد رام لال، احمد جمال پاشا، عابد سہیل اور ستیش بترا نے افسانے سنائے اور مسعود اختر جمال، حسن شبیر اور ساغر مہدی نے اپنا کلام پیش کیا۔

(شاہد اختر جمال، کنوینر ساہتیہ سنگم)

وحید مرزا

اُٹھو ہندوستاں والو!

اُٹھو اپنے وطن کی سرحدوں پر آگیا دشمن
اُٹھو اپنے چمن کی اب حدوں پر آگیا دشمن
اُٹھو اب اپنے گھر کی چوکھٹوں پر آگیا دشمن
فصیلِ کشورِ ہندوستاں نے ہم کو للکارا

اُٹھو ہندوستاں والو! سرِ دشمن قلم کردو
عروسِ ہند کے قدموں پہ سرِ دشمن کا خم کردو
نئے انداز سے افسانۂ ہستی رقم کردو
وطن کی سرحدوں کے پاسباں نے ہم کو للکارا

ہمالہ کی جبیں پر خون کا ٹیکا لگا دینا
وطن کی سرحدوں کے پار دشمن کو بھگا دینا
ذرا ہندوستاں کو خوابِ غفلت سے جگا دینا
گرج کر پھر امیرِ کارواں نے ہم کو للکارا

زر و مال و جواہر مانگتا ہے پھر وطن اپنا
چمن والو! لہو اب مانگتا ہے پھر چمن اپنا
لہو سے پھر جلانا ہے چراغِ انجمن اپنا
ہر اک گوشے سے پھر ہندوستاں نے ہم کو للکارا

نہ ہندو اور مسلماں کی نہ عیسائی کی حاجت ہے
مرے ہندوستاں کو اب سپاہی کی ضرورت ہے
لہو کے رنگ کی اب روشنائی کی ضرورت ہے
کسی دم توڑتے گرتے جواں سے تھے ہم کو للکارا

کوئی جے چند نہ ہو پیدا کوئی جعفر نہ ہو پیدا
وطن کی آستیں میں پھر کوئی خنجر نہ ہو پیدا
رگِ جانِ وطن پر پھر کوئی نشتر نہ ہو پیدا
صدائے جرس و ناقوس و اذاں نے ہم کو للکارا

دانش فرازی

جنازہ

(ایک عزیز کی موت پر)

ذرا سبک سبک چلو
سبک چلو کہ دوش پر ہے وہ جنازۂ گراں
فصیلِ شہرِ آرزو کا ایک آخری نشاں
کہ جس کے پیچھے آرہا ہے حسرتوں کا کارواں
سسک سسک رواں دواں
ذرا سبک سبک چلو۔

(۲)

یہ وہ بہارِ حیات ہے جو تھک کے چور ہو گیا
اجل کی ٹھنڈی چھاؤں میں سکوں طلب ہو گیا
بگولوں کی وادیوں میں تخمِ درد بو گیا
سنو وہ دھیمی سسکیاں
ذرا سبک سبک چلو۔

(۳)

فغاں بلب ہیں کتنے خواب بکھرے یاس میں
چراغ کتنے منتظر ہیں روشنی کی آس میں
نہ جانے کتنی خواہشیں ہیں ماتمی لباس میں
فضا بھی ہے دھواں دھواں
ذرا سبک سبک چلو۔

(۴)

سبک چلو کہ بڑھ رہی ہے ظلمتِ شبِ الم
بچھا ہوا ہے دامِ مرگ راہ میں قدم قدم
کسے خبر کہ ٹوٹ جائے چلتے چلتے کس کا دم
کھلے نہ پھر کبھی زباں
ذرا سبک سبک چلو۔

(۵)

نہیں یہ غم کہ دفعتاً کسی نے آنکھ بند کی
کہ مر چکے ہیں کتنے لوگ باوجودِ زندگی
کسے خبر کہ دل کی لاش کتنی بار اُٹھ چکی
سُناؤں گا یہ داستاں
ذرا سبک سبک چلو۔

غزلیں

باقر مہدی

یہی نہیں کہ کبھی آج دلکشی نہ رہی
بدل گیا وہ زمانہ کہ تیرگی نہ رہی

حقیقتوں کا طلسمی حصار ٹوٹ گیا
تصورات کے خوابوں میں دلکشی نہ رہی

کہاں گئے وہ نئے خضر جو کہ آئے تھے
کہ اب کسی کو کوئی فکرِ رہبری نہ رہی؟

جنہیں غمِ امروز ہے نئی دنیا
کوئی تلاش کرے کیا کہیں خوشی نہ رہی

وہ تیز دھوپ تھی سایہ بھی ساتھ چھوڑ گیا
وہ رات آئی کہ یادوں کی چاندنی نہ رہی

بنا کے دیکھ چکے کتنی انجمن باقر
کہ بے کسی نہ گئی اور بے بسی نہ رہی!

ن۔ ڈی۔ نجشی

آج رندوں سے لطفِ عام نہیں
ساقیا یہ تو نہیں کہ جام نہیں

آج کیا ہو گئی خطا ہم سے
آج کوئی دعا سلام نہیں

تشنہ لب جائیں گے نہ ہم ہرگز
مے تو ہے گو سبو و جام نہیں

باغباں موسمِ بہار میں کیوں
صحنِ گلشن میں گل کا نام نہیں

سحر اعظمی

ہر اک مشکل کو سہل اور سہل کو مشکل سمجھتے ہیں
ہمارے پاس دل ہے ہم مذاقِ دل سمجھتے ہیں
ہمارے عزمِ محکم کا یہ معیارِ بلندی ہے
جسے طوفان سب کہتے ہیں ہم ساحل سمجھتے ہیں
غم و رنج و الم، آہ و فغاں، درد و محبت ہیں
یہ وہ دولت ہیں جن کو ہم متاعِ دل سمجھتے ہیں

بقیہ

مُراد علی ہوشیار (بیاؔر)

ان کے انتقال کے بعد ان کی بیوہ موتی بیگم کی نگرانی اور منشی عصمت علی اکبرآبادی کی ادارت میں راجپوتانہ گزٹ[1] ایک عرصہ تک جاری رہا۔

بوستان خواجہ۔ ایک جُز کا رسالہ حضرت خواجۂ اجمیرؒ کے حالات میں لکھا، جس کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مولوی صاحب سید کرم علی صاحب کے بیٹے اور مقام نیکھورہ پرگنہ نوہر علاقہ بیکانیر کے رہنے والے تھے۔

یادگار مراد علی[2] کے نام سے ایک کتاب اپنی یادگار چھوڑی جس میں ۱۸۳۵ء سے لے کر ۱۸۹۰ء تک کے حالات راجپوتانہ تحریر ہیں اور چونکہ پریس ایکٹ اس وقت مرتب نہیں ہوا تھا اس لئے عبارت کتاب کا اکثر حصہ شوخیوں سے بھرا ہوا ہے اور بعض حالات پر نفس الامری کا جامہ بھی تمسخر و شرارت کا لباس نظر آتا ہے۔

یادگار مراد علی میں جو اشعار درج کئے گئے ہیں ان میں سے بیشتر اشعار حضرت جعفر زٹلی کی زٹلیات سے کسی طرح کم نہیں بلکہ بعض اشعار تو اس قدر عُریاں ہیں کہ ان کے مطالعہ سے شوخ چشمی بھی محجوب و شرمسار نظر آتی ہے۔ اس لئے اس قسم کا کلام بمجبوری نظر انداز کیا جاتا ہے۔

انتخاب کلام

میں تو مفلس بن گیا اب ڈھونڈ لو تم دوسرا
کیا کوئی مجھ سا جہاں میں ... ملتا نہیں
اس تغافل کو تو دیکھو لے کے دل چُپ ہو رہے
میں نے مانگا تو کہا "کھویا گیا" ملتا نہیں
آزمایا خوب ہی دنیا کو ہم نے ہوشیار
مطلبی ملتے ہیں کوئی باوفا ملتا نہیں

اک روز ڈرتے ڈرتے کہا میں نے جانِ من
میں تو تمہارا بندۂ بے دام ہو گیا
بولے وہ مُسکرا کے کہ کر ہوش کی دوا
اے ہوشیار کیا تمھیں سرسام ہو گیا

خوب دنیا را اگما شتیم ما | فکرِ عقبےٰ را بطا گشتیم ما
تا نہ کورٹ چیف و آباد شد | مثلِ میلہ روز جا پیدیم ما

در عدالت لگ رہی ہے لاؤ لاؤ | تھیلیاں ہر روز لا سیدیم ما
در سوال ہائے عدالت سیکڑوں | جھگڑے ساری را نمٹائیدیم ما

از غزلِ ہوشیار ہے آبِ حیات
سوزِ قلبِ خود بہائیدیم ما

کس مس سے الفت مدامی کریں گے
لاٹ کی دم نام لکھامی کریں گے
ابھی آپ کی ہم غلامی کریں گے (۹)
کبھی اس میں ہرگز نہ خامی کریں گے
بنایا تھا مجنوں کو لیلیٰ نے پاگل
مجھے موڑ کر آپ شامی کریں گے
چڑھایا ہے غیروں نے لاسر پان کو
وہ کیوں ہم سے اب ہم کلامی کریں گے
گیا ہوشیار ان کے در پہ ہے ناحق
بھلا کب وہ ملنے کی ہامی کریں گے

اہل زبان ہامی بھرنا بولتے ہیں۔ ہامی کرنا نہیں۔ امیر مینائی مرحوم کا شعر ہے:-

سوالِ وصل کرتا ہوں تو چپ ان سے کہتا ہے
کہیں ہامی نہ بھر لینا ابھی ناکتخدا تم ہو

۱۸۹۶ء میں پشکر[3] کے میلے میں جب زور کا ہیضہ ہوا تو ادھر بھی قلم کی روانی نے اپنا زور دکھایا۔

ہیضہ دائے نے کری پکار | بیٹے پر جیشور ہے کرتار
ہو کہ لگی ہے مار و مار | اب تو ہو ہیں بہت لاچار
رام نام ست ہے ست بولو گت ہے

مرض پھیلنے کے اسباب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:-

جرا ہنڈی میں دال پکائیں | لوٹا کر کٹ خوب ملائیں
باسی سالن روز کھلائیں | جس میں کھٹے جھاگ اور تار
رام نام ست ہے ست بولو گت ہے

علیٰ ہٰذا القیاس اٹھائیس بندوں میں پوری کیفیت بیان کر دی ہے۔ آخر عمر میں کسی قدر سنجیدہ کلام بھی کہا مگر در حقیقت ان کا رنگ طبیعت وہی تھا جو مندرجہ بالا اشعار سے ظاہر ہے۔

---

[1] راجپوتانہ گزٹ کے قریب قریب مکمل فائل "معینی کتب خانہ" میں موجود ہیں۔
[2] یادگار مراد علی۔ یہ کتاب بھی معینی کتب خانہ میں موجود ہے۔
(راقم حاشیہ۔ سید فضل المتین)

[3] پشکر۔ اجمیر سے سات میل دور ایک بڑا تیرتھ استھان ہے جہاں اشنان کی تاریخوں میں ایک بہت بڑا میلہ لگتا ہے اور کثرت سے لوگ آتے ہیں۔ (سید فضل المتین)

مشائق رنجن مہنا چاریہ

بنگالی ڈاکٹروں کی اُردو میڈیکل تصانیف

یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ کئی ایسے بنگالی ڈاکٹر گزرے ہیں جنھوں نے ہندوستان کے کونے کونے میں جاکر بحیثیت ڈاکٹر کے نام پیدا کیا اور اُردو زبان میں میڈیکل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اس مضمون میں مختصر طور پر ایسے ہی چند نامور ڈاکٹروں اور ان کی طبی کتابوں کا تذکرہ کرتا ہوں :۔

امولیا رتن باسک

امولیا رتن باسک نے آگرے میں سکونت اختیار کی تھی اور وہاں کے سرکاری ہسپتال کے اسسٹنٹ سرجن تھے۔ آپ کی اعلیٰ طبی خدمات ہی کی بنا پر ۲۶ر جون ۱۹۰۲ء کو حکومت ہند نے انھیں رائے بہادر کا خطاب دیا۔ افسوس ہے کہ آپ کے سلسلے میں مزید معلومات نہ ہو سکیں۔ آپ کی اُردو تصانیف میں ایک کتاب "اصول علم جراحی" ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن کب شایع ہوا، یہ معلوم نہیں، لیکن دوسرا ایڈیشن آگرے سے ۱۹۰۰ء میں چھپا، جو تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی ایک جلد برٹش میوزیم لائبریری لندن میں ہے۔

برج لال گھوش

ڈاکٹر برج لال گھوش کے والد محترم لاہور کے "رنگ محل ہائی اسکول" کے مدرس تھے۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے دنوں میں آپ نے لاہور اور راولپنڈی کے ہزاروں انسانوں کی جان بچائی۔ چالیس سال تک مدرسی کے بعد ۱۸۹۱ء میں لاہور ہی میں انتقال ہوا۔

برج لال گھوش مشہور و مقبول ڈاکٹر ہی نہیں بلکہ اُردو کے اچھے عالم بھی تھے۔ آپ نے علم طب پر کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں مجھے صرف ذیل کی تصانیف کا علم ہو سکا ہے۔

(الف) "علم و عمل فن جراحی" یہ ایک ہزار سے زیادہ صفحات کی کتاب ہے۔ پہلی بار لاہور سے ۱۸۸۴ء میں شایع ہوئی اور ۱۹۰۴ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن نکلا۔

(ب) "رہنمائے جراح" یہ بھی لاہور ہی سے ۱۸۹۱ء میں شایع ہوئی اس کے صفحات دو سو سے زائد ہیں۔

مندرجہ بالا تصانیف انڈیا آفس اور برٹش میوزیم میں محفوظ ہیں۔

بھولا ناتھ بسواس

شوبھا بازار کلکتہ کے ایک باشندے شری رام چندر بسواس کے سب سے چھوٹے فرزند بھولا ناتھ تھے۔ ڈاکٹر ڈف کے فری چرچ انسٹی ٹیوشن میں ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۸۴۴ء میں آپ کلکتہ میڈیکل کالج میں داخل ہوئے۔ Physiology اور Botany میں چاندی کے تمغے اور Anatomy میں گولڈ میڈل پا کر ۱۸۴۸ء میں آپ نے جی۔ ایم۔ بی۔ کی ڈگری پائی۔

اس کے بعد اجمیر میں میڈیکل افسر مقرر ہوئے۔ اجمیر میں پانچ سال ملازمت کے بعد جودھ پور میں تین سال رہے اور پھر بھرت پور (راجپوتانہ) کے میڈیکل افسر ہو گئے۔ آپ نے ریاست بھرت پور میں کئی ہسپتال قائم کیے۔ ۱۸۸۰ء میں آگرہ میڈیکل اسکول کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ آپ کی خدمات کی بنا پر آگرہ دربار کے وقت گورنر جنرل لارڈ لارنس نے انھیں خلعت اور سونے کی گھڑی پیش کی۔ یکم جولائی ۱۸۷۷ء میں دلی دربار میں آپ کو رائے بہادر کا خطاب عطا کیا گیا۔ دوسرے سال آپ ریاست راجپوتانہ کے چیف میڈیکل افسر ہوئے اور ۱۸۸۲ء میں ریٹائر ہو گئے۔ لیکن مہاراجہ بھرت پور نے جو ان کے شاگرد تھے انھیں روک لیا اس لئے وہ واپس بنگال لوٹ کر نہیں آئے اور ۱۸۹۳ء میں آپ کا وہیں انتقال ہوا۔

اُن دنوں جب کہ آپ آگرہ میڈیکل اسکول کے پروفیسر تھے آپ نے طلبہ کے لئے کئی طبی کتابیں اردو میں تصنیف کیں۔

پارس ناتھ چٹرجی

ڈاکٹر پارس ناتھ چٹرجی ایل، ایم، ایس، (ہومیوپیتھک) بانکی پور (بہار) میں مقیم تھے اور اسسٹنٹ سرجن تھے۔ آپ نے علاج ہومیوپیتھی پر اردو میں کئی کتابیں لکھی ہیں جو کافی مقبول ہوئیں اور جس کی وجہ سے ان تصانیف کے کئی کئی ایڈیشن شایع ہوئے۔ حسب ذیل دو کتابیں میری نظر سے گزری ہیں :۔

(الف) "رسالہ علاج ہومیوپیتھی"۔ اس کا پہلا ایڈیشن [illegible] میں، دوسرا ۱۹۰۶ء میں اور تیسرا جو میری نظر سے گزرا ہے ۱۹۱۱ء میں شایع ہوا، اس ایڈیشن کے صفحات ۱۸۰ ہیں۔ سرورق پر درج ہے "از جناب ڈاکٹر پارس ناتھ چٹرجی ایل، ایم، ایس، اسسٹنٹ سرجن مقیم بانکی پور۔ در مطبع احسن المطابع پٹنہ۔ باہتمام مولوی محمد عبدالغفار، طبع شد۔ بار سوم۔ تعداد ایک ہزار۔ قیمت فی جلد ۸؍ محصول ڈاک ۲؍ ہے"

(ب) "گنجینۂ علاج بالمثل"۔ اس کے صفحات ۳۴۸ ہیں۔ سرورق پر درج ہے، "ہومیوپیتھی معالجات کا مفصل اور واضح بیان جس کو جناب ڈاکٹر پارس ناتھ چٹرجی ایل ایم ایس، اسسٹنٹ سرجن مقام بانکی پور نے اُردو زبان میں تالیف کیا اور خواجہ محمد خلیل الدین مالک مطبع کے اہتمام سے مطبع قیصری واقع محلہ گوبند عطار پٹنہ میں چھپوایا۔ بار اول ایک ہزار جلدیں۔ قیمت فی جلد ۸؍ محصول ڈاک ذمہ خریدار"۔

اس تصنیف کا دیباچہ جو کہ خود مصنف کا ہے ۱۱ر اکتوبر ۱۸۹۴ء کو لکھا گیا تھا۔ ان دو کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اور کئی کتابیں بھی ہومیوپیتھی پر لکھی تھیں جو شاید چھپ نہیں سکیں۔ مثلاً ایک تصنیف "علاج الامراض" کے سلسلے میں دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "اگر یہ کتابیں چھوٹی اور مختصر ہوتیں تو اب تک چھپ گئی ہوتیں۔ خدائے عز و جل کی درگاہ میں تہ دل سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس غرض کے

ادا کرنے میں مدد دے تاکہ میں اس کام کو انجام دے کر بری الذمہ ہو جاؤں۔ علاج الامراض کے اب تک قریب ۲۸۳ صفحے تک چھپ چکے ہیں اور اس کے بعد کا مسودہ بھی تیار ہے۔ "تسہیل العلاج" کے ایک سو بانوے صفحے تک چھپے ہیں"۔

دیال چند شوم بحیثیت ڈاکٹر کے آپ نے ہندوستان کے دور دراز مقامات کا سفر کیا۔ ڈاکٹر دیال چند ۱۸۴۲ء میں چچوڑا میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۵۹ء میں ایف۔ اے میں کامیابی کے بعد آپ کلکتہ میڈیکل کالج میں داخل ہوئے اور ۱۸۶۴ء میں ایم۔ ایل۔ ایس اور دوسرے سال ایم۔ بی کی ڈگری لی۔

ملازمت کا آغاز کلکتہ میڈیکل کالج کے زنانہ وارڈ کی ہاؤس سرجنی سے ہوا۔ اور بالآخر ۱۸۶۷ء میں وطن سے دور کنگس ہسپتال لکھنؤ کے بڑے ڈاکٹر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد آگرہ میڈیکل سکول میں سرجری کے پروفیسر بنائے گئے۔ ڈاکٹری میں آپ نے وہ شہرت پائی کہ آپ کئی راجہ مہاراجہ کے خیلی ڈاکٹر بنے مثلاً مہارانی نیپال کی بیماری کا آپنے کامیاب علاج کیا جو عرصے سے بیمار تھیں۔ ۱۸۸۰ء میں آپ بڑے لاٹ صاحب کے نائب سرجن مقرر ہوئے ڈاکٹر شوم نے اردو میں کئی طبی کتابوں کا ترجمہ بھی کرایا آپ عرصہ ۱۲ سال تک Vernacular Medical Text Book Committee کے ممبر رہے اور آپنے ہمیشہ زور دیا کہ دیسی زبانوں میں طبی کتابیں چھاپی جائیں تاکہ طلبہ کو آسانی ہو۔ آگرہ میڈیکل کالج کے طلبہ کے لئے آپ کلاس میں جو لکچر اردو میں دیتے تھے۔ ان لکچروں کو آپ نے کتابی شکل میں شائع بھی کیا تھا۔ یہ تصنیف ایک عرصہ تک آگرہ میڈیکل کالج میں پڑھائی جاتی رہی ہے۔

شاما چرن دت شاما چرن دت اُن بنگالیوں میں سے ہیں جو انیسویں صدی کے ابتدائی دور میں آگرہ میں جا بسے تھے۔ ۱۸۳۹ء میں آپ الٰہ آباد کے سرکاری ہسپتال کے انچارج تھے۔ آپ نے اُردو میں چند طبی کتابیں لکھیں، اور چند کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا۔ آپ کی تصانیف میں سے ایک کا نام "فارماکوپیا یعنی قرابادین" ہے یہ انگریزی کتاب London Pharmacopoeia کا اُردو ترجمہ ہے اس کے صفحات تقریباً تین سو ہیں۔ اس کا پہلا ایڈیشن کلکتہ سے ۱۸۴۲ء میں اور دوسرا ۱۸۴۵ء میں شائع ہوا۔ یہ تصنیف انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم میں موجود ہے۔

نوبین چندر چکرورتی "صحیفۂ زریں"[۱] میں درج ہے "آپکا سلسلۂ نسب قوم برہمن بنگالی برہمنوں کے قدیم خاندان سے ملتا ہے۔ آپ کے پردادا پنچا رام چکرورتی تعلقدار اور نامی تاجر تھے۔ ۔ ۔ ۔ آپ کے والد گوری کنتھ چکرورتی اپنی حذاقت کی وجہ سے نہایت مشہور و مقبول اور ہر دلعزیز تھے آپکے چچا برج ناتھ چکرورتی رانی پتیا کے دیوان تھے"۔

نوبین چندر چکرورتی ۱۹ر نومبر ۱۸۴۳ء میں پیدا ہوئے، ۱۱ر اپریل ۱۸۶۶ء میں کلکتہ میڈیکل کالج سے ایل، ایم، ایس کا امتحان پاس کیا۔ یکم جولائی ۱۸۶۶ء سے ان کی ملازمت کا آغاز ہوا اور صرف چار ماہ بعد بنگال سے باہر پہلے نینی تال گئے اور اس کے بعد دسمبر ۱۸۶۶ء بلند شہر کے ہسپتال میں ملازم ہوئے۔ ۱۸۶۷ء میں بلند شہر سے تبادلہ ہوکر آپ متھرا کے سول سرجن بنے۔ اگست ۱۸۷۳ء میں آگرہ میڈیکل میں اسکول کے سرجری کے لکچرار اور ٹامسن ہسپتال کے سپرنٹنڈنٹ مقرر کئے گئے۔ آپ آگرہ میڈیکل اسکول کے لکچرر کے عہدے پر ۲۸ سال تک رہے اور ۱۹۰۳ء میں ریٹائر ہوئے۔

بحیثیت ڈاکٹر آپ اپنے زمانے کے مشہور ڈاکٹر تھے ہندوستان کے کئی راجہ، مہاراجہ اور نواب مثلاً مہاراجہ جے پور، رانا دھول پور نہال سنگھ، بیگم بھوپال، راجہ آب گڑھ، نواب رام پور، راجہ آب گڑھ اور راجہ کشن گڑھ وغیرہ کے آپ خیلی ڈاکٹر تھے۔

آپ انگریزی، فارسی، بنگلہ، اُردو اور ہندی زبانوں سے بخوبی واقف تھے۔ آگرہ میڈیکل اسکول کی مدرسی کے زمانے میں آپ نے اُردو میں علم طب پر ایک نہایت جامع و مفید کتاب تصنیف کی جس کا نام "کلیات علم طب" ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۹۹ء میں آگرہ سے شائع ہوا۔ اس ایڈیشن کے صفحات ایک ہزار دو سو کے قریب ہیں۔ اس کتاب کا آپ نے ہندی میں بھی ترجمہ کیا۔ آپ آگرہ کے بنگالی ادبی انجمن اور لائبریری کے صدر بھی تھے۔ جنوری ۱۸۹۸ء میں حکومت سے آپ کو رائے بہادر کا خطاب ملا۔ پنشن کے بعد آپنے آگرہ میں اپنا مطب قائم کیا تھا۔ بنگلہ سنہ ۱۳۱۹ یعنی سنہ ۱۹۱۲ء میں آپکا انتقال آپکے کلکتہ کے مکان میں ہوا۔

۱۔ دیکھئے "صحیفۂ زریں" از پنڈت مادھن بھارگو۔ نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۰۶ء

جذباتی یک جہتی کے لیے مختلف ہندستانی زبانوں کی تعلیم کی ضرورت

ڈاکٹر گوپال ریڈی، مرکزی وزیر اطلاعات نے آندھرا ساہتیہ اکیڈیمی کی سالانہ تقریب کی صدارت کرتے ہوئے ریاستی حکومتوں سے کہا کہ مختلف ہندستانی زبانوں میں ربط پیدا کرنے اور انھیں ایک دوسرے کے قریب لانے کے سلسلے میں ریاستی حکومتوں کو اگر معمول سے ہٹ کر بھی کچھ کرنا پڑے تو انھیں کرنا چاہیے کیونکہ اس طرح ملک میں جذباتی یک جہتی پیدا ہوتی ہے۔

انھوں نے کہا کہ ہر ریاست میں بڑی تعداد میں ایسے اسکول کھولے جانے چاہئیں جن میں مختلف ہندوستانی زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہو تاکہ ان میں یکسانیت پیدا ہو سکے۔ ہندوستان کی زبانیں ہیئتی لحاظ سے مختلف ہونے کے باوجود ایک ہی ہندوستانی کلچر سے تعلق رکھتی ہیں اور ان میں ایک ہی روح پائی جاتی ہے۔

ہندی کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس کے لئے کسی پروپیگنڈے کی ضرورت نہیں ہے۔ طلبہ کو تو ہندی کی تعلیم حاصل کرنی ہوگی لیکن اس کے ساتھ ساتھ دوسری ہندستانی زبانوں کے عالم پیدا ہونے چاہئیں کیوں کہ بغیر اس کے ملک میں جذباتی یک جہتی نہیں پیدا ہو سکتی۔

بیرونی زبانوں کی تعلیم پر زور دیتے ہوئے ڈاکٹر گوپال ریڈی نے کہا کہ بیرونی زبانوں کی تعلیم کے علاوہ لوگوں کو اپنے ملک کی مختلف زبانوں کو سیکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس طرح سے انھیں پڑوسی ریاست کے رہنے والے لوگوں کے سمجھنے میں آسانی ہوگی لیکن یہ بات باہمی بنیاد پر ہونی چاہئے۔

ڈاکٹر گوپال ریڈی نے ہندوستانی کلچر کو ایک ہار سے تشبیہ دی اور کہا کہ جس طرح مختلف رنگ اور خوشبو کے پھولوں سے ہار تیار ہوتا ہے اسی طرح ہندستانی کلچر بھی مختلف زبانوں سے مل کر ایک ہار کی شکل میں وجود میں آیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر مختلف صوبوں کے ادیبوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکھٹا کر دیا جائے تاکہ وہ ایک دوسرے کو سمجھ سکیں تو ہندوستان کی زبانوں میں تبھی اتحاد اور یک جہتی صحیح معنوں میں پیدا ہو سکے گی۔

رام پور میں آزاد انسٹی ٹیوٹ کا قیام

رام پور میں مولانا ابوالکلام کے نام پر ایک ادارہ کا قیام عمل میں آیا ہے جس میں مولانا پر ریسرچ کے علاوہ علوم مشرقیہ پر ماہرین کے لیکچروں کا انتظام بھی کیا گیا ہے عربی، فارسی اور اردو میں تحقیقی کام کا ایک الگ پروگرام ہے جس میں رام پور کے محقق حصہ لیں گے۔ علاوہ ازیں سب سے زیادہ مفید کام، جس کا آغاز دوسرے پروگراموں کے ساتھ ساتھ پہلی مارچ سے ہو رہا ہے وہ فارسی، عربی، اُردو اور اسلامک اسٹڈیز میں ایم اے کی پرائیوٹ تعلیم شروع ہو جائے گی۔ رام پور میں پوسٹ گریجویٹ کالج نہ ہونے کے سبب اکثر تعلیم کے شائقین کی تعلیم بھی منقطع ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک حد تک یہ کمی دور ہو جائے گی اور اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ آگرہ یونیورسٹی اس انسٹی ٹیوٹ کو پوسٹ گریجویٹ کالج کی حیثیت سے تسلیم کرے۔

نمائش کلب حیدرآباد

کل ہند صنعتی نمائش حیدرآباد میں ۲ر فروری ۶۳ء کو رات کے نو بجے نمائش کلب کے زیر اہتمام سالانہ مشاعرہ ریاستی وزیر اطلاعات و تعلقات عامہ جناب پی اوی نرسمہا راؤ کی صدارت میں منعقد ہوا۔

وزیر اطلاعات نے صدارتی تقریر میں کہا کہ چین کے جارحانہ حملے نے ہمارے ادب کو بھی جھنجھوڑ دیا ہے اور قومی یک جہتی کے ساتھ ساتھ ادبی انقلاب کا دروازہ بھی اب ہندستان میں کھل گیا ہے۔ ہندوستان کے لیے جنگی ادب ایک نئی چیز ہے۔ پہلی اور دوسری جنگ کے موقع پر یورپ اور امریکہ میں جنگ اور وقائع کے موضوع پر نہایت اعلیٰ درجے کا ادب اور فلمیں تخلیق کی گئیں، لیکن ہمارا ملک ان جنگوں سے جذباتی طور پر زیادہ متاثر نہیں ہوا۔ چین کے حملے نے ہمارے ادب کا رخ بھی موڑ دیا ہے اور ہمارے ادیب و شاعر ملک میں ایک نئی لہر کو دوڑانے میں بے شک قابل فخر رول انجام دے رہے ہیں۔ (و، خ)

> ہم نے شمشیر اُٹھائی ہے صداقت کے لئے
> امن و تہذیب و شرافت کی حفاظت کے لئے
> سر بکف آج ہیں ہم ہند کی عزت کے لئے
>
> (دوش صدیقی)

یونسکو کے زیر اہتمام ادبی مقابلہ

وزارت تعلیم کی ایک اطلاع کے مطابق یونسکو کے زیر اہتمام ایک ادبی مقابلے کا اعلان کیا گیا ہے، جس میں تعلیم بالغان کے سلسلے کی صرف وہ کتابیں پیش کی جا سکیں گی جو ۱۹۶۱ء و ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی ہیں۔ یہ اس سلسلے کا تیسرا مقابلہ ہے، جس میں دس کتابوں کو ۱۹۰۰ روپے انعام دئے جائیں گے۔ اُردو کے لئے ایک، بنگلہ کے لئے دو، تامل کے لئے تین، اور ہندی کے لئے چار انعام مقرر کئے گئے ہیں۔

اس سلسلے کی مزید معلومات "اسپیشل افسر (لٹریچر) ایس، ڈبلو ۲ وزارت تعلیم، نئی دہلی" سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

مراسلات

مرزا قتیل کی طرف ایک نظر

مرزا محمد حسن قتیل متوفی سنہ ۱۲۳۳ھ اپنے زمانے میں فارسی کے مستند ماہر شاعر اور انشا پرداز مانے جاتے تھے اور عزت و عظمت کے بہت اونچے درجے پر فائز تھے۔ ایسے ذی علم لوگ کثیر تعداد میں موجود تھے جو ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ ان کی کئی کتابوں کو فارسی کا ہر طالب علم سبقاً سبقاً پڑھتا تھا۔ لیکن جب فارسی کی طرف لوگوں کی توجہ کم ہو چلی تھی اُس زمانے میں مرزا غالبؔ اس شدت اور اتنی تکرار سے قتیل کی ناقابلیت کا ڈھنڈورا پیٹا کہ وہ التفات کے قابل ہی نہ رہے۔ مگر قتیل کی علمی و ادبی خدمتوں کو نظر انداز کرنا اُن کے ساتھ زمانے کی بڑی ناانصافی ہوگی۔ ضرورت ہے کہ ادبی تحقیق کا کوئی مرد میدان قتیل کے کارناموں کو اپنی تحقیق کا موضوع بنائے۔ قتیل کا دیوان اور دوسری تصنیفیں چار شربت، نہرالفصاحت، شجرۃ الامانی، ہفت تماشا، دریائے لطافت[1] وغیرہ ابھی دستیاب ہو سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے کثیر التعداد خطوط کے متعدد قلمی اور مطبوعہ مجموعے موجود ہیں جو ان کے حالاتِ زندگی اور مشاغلِ ادبی کے سمجھنے میں ... ہیں۔ اس کے علاوہ قتیل کے خطوط ادبی، صرفی، نحوی، عروضی معلومات اور ان کے عہد کے تاریخی، معاشی اور معاشرتی حالات کا خزانہ ہیں۔ ان خطوط کا ایک جامع مجموعہ مستند متن، مبسوط مقدمے اور تفصیلی اشاریے کے ساتھ مرتب کرنا ایک بہت مفید علمی خدمت ہوگی۔

اُردو تو مرزا قتیل کی مادری زبان ہی تھی، وہ عربی اور ترکی میں بھی کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ ان کے متعدد خطوط ان تینوں زبانوں میں بھی موجود ہیں۔ قتیل کے ایک ذی علم شاگرد خواجہ امامی نے ان کے خطوں کا جو مجموعہ معدن الفوائد کے نام سے مرتب کیا تھا اس کے مقدمے میں صنعت براعۃ الاستہلال کے طور پر حمد عربی میں، نعت ترکی میں، منقبت فارسی میں اور مدح اصحاب اُردو میں لکھی ہے۔ معدن الفوائد کے علاوہ خطوط قتیل کے چند مجموعوں کے نام یہ ہیں: ثمرات البدائع، رقعات قتیل، اعجاز الانشا اور چند قلمی مجموعے ایسے بھی موجود ہیں جن کے نام معلوم نہیں۔

آج سے کوئی تینتیس[2] برس پہلے ۱۹۲۹ء میں قتیل کے ایک ہم وطن سید اسد علی انوری فرید آبادی نے قتیل پر غالب کے حملوں کے جواب میں ایک اچھی کتاب کافی تحقیق اور وسیع مطالعہ کے بعد قتیل اور غالب کے نام سے شائع کی تھی۔ قتیل پر تحقیقی کام کرنے والے کو اس کتاب سے بھی مدد مل سکتی ہے۔

(سید مسعود حسن رضوی ادیب)

[1] دریائے لطافت کا نصف اول انشاؔ کی تصنیف ہے اور نصف آخر جس میں منطق، عروض و قافیہ، بیان و بدیع سے بحث کی گئی ہے، قتیل کی تصنیف ہے۔

[2] قتیل کے خطوط کے آٹھ قلمی اور چار مطبوعہ مجموعے میرے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

راجستھان کے اُردو دوستوں سے

حکومت راجستھان یہ حکم جاری کر چکی ہے کہ پہلے درجے سے پانچویں تک بچوں کو اُن کی مادری زبان کے ذریعہ تعلیم دی جائے گی۔ (ملاحظہ ہو چٹھی حکومت راجستھان نمبر F.4(4)EDU/B/F ... مورخہ ... اور پریس نوٹ مورخہ ...) اور محکمہ تعلیم نے ... فارم داخلہ جاری کر دیا ہے جس میں سرپرست کو یہ ... درج کرنا ہوگا اور ایک رجسٹر میں ہر بچے کی مادری زبان ... درج ہوگی۔ لہٰذا اگر آپ کے بچے کی مادری زبان اُردو ہے تو ان دونوں جگہ اُردو درج کرائیے ورنہ بچہ چوتھی اور پانچویں کلاس تک ... اسکول میں پڑھایا جائے گا۔ ۶۳-۱۹۶۲ء کے سیشن سے ان کلاسوں میں سندھی، گجراتی، سنسکرت اور اُردو میں سے کوئی ایک زبان پڑھنا لازمی ہے (ملاحظہ ہو سرکلر ایجوکیشن بورڈ راجستھان نمبر 15772 مورخہ ۱۲ ...) ان صورتوں میں اگر بچہ شروع سے اُردو پڑھتا رہا تو چوتھی اور پانچویں کلاس میں اُردو صحیح پڑھ سکے گا اور ورنہ وہ بچہ ... کس طرح کامیاب ہوگا۔

یہ خیال بالکل غلط اور سراسر دھوکہ ہے کہ بچہ پہلے درجے سے ہندی نہیں پڑھے گا تو ہندی میں کمزور رہ جائے گا۔ اس لئے کہ تیسرے درجے سے اُردو کے طالب علموں کے ساتھ ہندی بھی پڑھنا لازمی ہے (ملاحظہ ہو ... ہائے ہندوستان کے وزرائے تعلیم کی متفقہ تجویز بابت ... یادداشت ... حکومت ہند بابت ... پریس نوٹ حکومت ... اور محکمہ تعلیم راجستھان نمبر ... مورخہ ...) اس طرح پانچویں کلاس تک بچہ ہندی میں کمزور نہیں رہ سکے گا۔ امید ہے آپ اپنے بچوں کے مستقبل کو شاندار بنانے کی غرض سے اس ضروری امور پر توجہ کریں گے۔ (ڈاکٹر ... جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ...)

رسالہ "آفتاب" جھالاواڑ (راجستھان)

اخبار ہماری زبان مورخہ ۸ اور ۲۲ جنوری ۱۹۶۳ء میں جناب نادم سیتاپوری کا ایک مضمون "ماہنامہ آفتاب" کے زیرِ عنوان شائع ہوا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ رسالہ کا نام آغا شاعر دہلوی نے اپنے صاحبزادے کے نام پر تجویز کیا تھا جو وہ ابھی کی ملازمت تھا جبکہ اس کا نام آغا شاعر قزلباش کے دخل سے کم و بیش ایک قرن پہلے والیِ ریاست جھالاواڑ کے ذریعے عالمِ وجود میں آچکا تھا۔ نیز اپنے پہلے اور دوسرے دور میں یہ کلیتہً ریاست ہی کی ملک تھا۔ اس کے سارے اخراجات بھی وہی برداشت کرتی تھی۔ اور طباعت کا انتظام ریاست کے سرکاری مطبع سے متعلق تھا۔ اس زمانے میں آغا صاحب تو بحیثیت ملازم سرکار اوقات کے فرائض انجام دیتے تھے، جس کی دیکھ ریکھ مولوی عبدالوحید نیرنگ کاکوروی کے ذمّے تھی کہ وہ اُردو کا کام کرنے کے لئے خصوصیت کے ساتھ ریاست میں بلوائے گئے تھے۔

جھالاواڑ نریش مہاراج رانا سر بھوانی سنگھ راجہ چھتر سال کے فرزندِ رشید ۱۰؍فروری ۱۸۹۹ء کو گدی پر بیٹھے۔ یہ بڑے علم دوست اور ادب پرست واقع ہوئے تھے۔ انگریزی، فارسی، عربی، سنسکرت، ہندی اور اُردو کے علماء و فضلاء ان کے دربار کی زینت تھے۔ روزانہ صبح دس بجے تک سب حاضرِ دربار رہتے اور مختلف علمی و ادبی موضوعات پر گفتگو کی گرم بازاری رہتی مگر باوجود ریاست کی توجہات خصوصی اُردو پر مرکوز تھیں۔ اُن کی دلی خواہش و آرزو تھی کہ اس زبان کو عروج و ترقی دینے کے ذرائع بہم کئے جائیں۔ پنڈت پرمانند چترویدی اس عہد میں دیوانِ ریاست تھے اور وہ بھی بالطبع اُردو نواز اور اس کے ادب کے دل سے بہی خواہ تھے۔ یہ وقت مہاراجہ کے اشارہ و منشا کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوشاں رہا کرتے تھے۔ چنانچہ بحکم والیِ ریاست انھوں نے ۱۹۰۰ء میں مولوی عبدالوحید نیرنگ کاکوروی کو ریاست میں طلب کیا اور اُردو کے جملہ ادبی کاموں کی باگ ڈور اُن کے حوالے کر دی نیز جھالاواڑ کے رہنے والے دلدادگانِ زبان و ادب ان کے شریکِ کار بنے۔ جن میں سے سید محمد حسین رضوی بی۔اے، ماسٹر شیام بہاری بی۔اے، سید مصطفیٰ حسین رضوی بی۔اے، بابو سوہن لال، منشی شادی لال، پنڈت دھنی رام شرما، منشی سکھ دیال دانش، سید حامد حسین رضوی (علیگ)، مولوی محمد عثمان خاں فائق تلمیذ کیف ٹونکی، مولوی وحیدالدین خاں حنیف تلمیذ امیر مینائی خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا ادبی کام آج بھی موجود ہے۔

مولوی عبدالوحید نیرنگ کاکوروی خود ایک تجربہ کار اور سلجھے ہوئے اہلِ قلم تھے اور پھر ایسے قابلِ قدر ماحول میں ان کو کام کرنے کا موقع ملا۔ اقتصادی امداد سے ریاست نے نوازا پھر کیا تھا دن دونی رات چوگنی ترقی رونما ہونے لگی۔ اُردو کی ایک وسیع لائبریری کا قیام عمل میں لایا گیا۔ دُور دُور سے اہم کتابیں منگوا کر اس کو زینت بخشی گئی۔ ماہانہ مشاعروں کا باضابطہ انعقاد شروع کیا گیا۔ مہاراجہ نے بھی اُردو شاعری پر خصوصی دھیان دینے کا حکم نافذ فرمایا۔ نیز شاعری کو نیچرل رنگ پہنانے اور زندگی سے قریب تر بنانے کے لئے مختلف اوقات میں بذاتِ خود لکچر دئے اور ان پر عمل کرنے کے لئے بطورِ خاص تاکید کی۔ نتیجہ عاشقانہ خیالات کے بجائے سائنٹفک اور وقت کے تقاضے پر مشتمل منظومات سے مشاعرے گونج اُٹھے۔ "شاعری کی کایا پلٹ" نام ایک سہ ماہی رسالہ ان منظومات کی نشر و اشاعت کے لئے جاری کیا گیا جس میں تین ماہ کی تخلیقات جمع کر کے اربابِ ذوق تک پہنچاتے رہنے کی پابندی کرنا ایڈیٹر رسالہ سید مصطفیٰ حسین رضوی بی۔اے سپرنٹنڈنٹ ریونیو ڈپارٹمنٹ کا اولین فرض تھا۔

مذکورالصدر ادبی و لسانی جدوجہد اور جدوجہد کے سلسلے ہی میں ۱۹۰۲ء میں جھالاواڑ نریش نے "ماہنامہ آفتاب"[1] کے جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ سید محمد حسین رضوی بی۔اے کو اس کا ایڈیٹر مقرر کیا، نیز سب ایڈیٹری کے فرائض پنڈت شو رام لال شرما کے ذمّے رکھے۔ لیکن ابھی ہر دو حضرات کی مساعیِ جمیلہ کے تحت اس رسالے کی تین جلدیں پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔ چوتھی جلد کے ابتدائی شمارے ہی ابھی نکل پائے تھے کہ یکایک ایڈیٹر کی موت واقع ہو گئی۔

بس یہیں سے اس کی گاڑی میں روڑا اٹک گیا مگر مہاراجہ کو ہمہ وقت اس کے دوبارہ زندہ کرنے کی فکر دامن گیر رہی۔ بالآخر اسی زمانہ میں آغا شاعر قزلباش جھالاواڑ پہنچ گئے اور جنوری ۱۹۰۷ء سے رسالے کا اجراء بار ثانی ان کی زیرِ ادارت عمل میں لے آیا گیا۔ "شاعری کی کایا پلٹ" کے مدیر اپنے رسالے کے ایک شمارے میں اس واقعے کو بہ الفاظ ذیل منضبط کرتے ہیں :-

> "زبانِ اُردو کو بلحاظ زبان ملکی کا درجہ دینے کے لئے ضروری خیال فرما کر ہمارے آقائے نامدار حضور مہاراج بھوانی سنگھ صاحب بہادر ایجاد لئے رئیس والیِ ریاست جھالاواڑ نے جو خود علوم و فنون کے مخزن ہیں اور دنیا کی کئی زندہ زبانوں کے ماہر ہیں، جہاں دفاتر میں ناگری حرفوں کے رواج کا حکم نافذ فرمایا وہاں ساتھ ہی ساتھ بہمائے اُردو کے لئے نیز ایڈیٹری سید محمد حسین رضوی بی۔اے مرحوم ایک رسالہ موسومہ "آفتاب" ریاست

---

[1] اس نام کو تجویز کرتے وقت راجپوتوں کے مشہور خاندان سورج بنسیوں کی رعایت خاص طور پر پیشِ نظر تھی۔ (مدیر)

سے نکالے جانے کا حکم ابھی نافذ فرمایا۔ یہی آفتاب جو سابق ایڈیٹر کی ناگہانی موت کے باعث صرف تین چار سال ہی اپنی شعاعیں پھیلا کر ایک مدت غروب ہو گیا تھا[1]۔ اب شروع جنوری ۱۹۴۲ء سے زیر ایڈیٹری افسر الشعرا جناب آغا شاعر قزلباش دہلوی پھر نہایت آب و تاب سے طلوع ہوا ہے[2] اردو زبان کی جو خدمت کر چکا ہے اور کر رہا ہے اہل ملک سے پوشیدہ نہیں۔ اس دلدادۂ علوم نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ اکتوبر ۱۹۴۱ء سے انجمن سخن کی بنیاد ڈالی اور اس طرح اردو کی بقا کے لئے ہمیشہ ہمیش کو انتظام فرما کر جو احسان شعرائے ہند پر کیا ہے اس کا شکریہ اگر ہمارے بال بال زبان ہو جائیں جب بھی ادا نہیں کیا جا سکتا۔"

رسالۂ آفتاب اپنے پہلے ہی دور میں کافی مقبولیت حاصل کر چکا تھا۔ ملک کے ذمہ دار ارباب ادب کے پاس اس کو بھیجا جاتا اور وہ بھی کھول کر اس کو خراج تحسین دیتے ایڈیٹر کے پاس اس قسم کی ڈاک کا ایک تانتا بندھا رہتا تھا۔ منجملہ ان کے ذیل میں صرف تین خطوں کے اقتباس پیش کئے جاتے ہیں جن میں اس وقت کے بلند مرتبہ مسلم الثبوت اہل قلم نے رسالے کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی رقمطراز ہیں:-

"مکرمی۔ رسالۂ آفتاب کے دو نمبر پہنچے۔ ان کو دیکھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ اس کو پڑھ کر انتہا مسرت حاصل ہوئی کیونکہ ہمارے رئیسوں کا اس طرف متوجہ ہو جانا اور ایسی لیاقت سے علمی مضامین لکھنا ہندستان کے بھلے دن آنے کی دلیل ہے۔ بابو اسپالال کا مضمون تعلیم پر اور آپ کا مضمون تعصب بھی بہت عمدہ مضمون ہیں۔ خدا سے امید ہے کہ آفتاب ملک میں چمکے گا۔ دل سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کامیاب ہوں اور آفتاب کی روشنی تمام راجپوتانے میں پھیلے۔ ۱۰ اپریل ۱۹۰۶ء حیدر آباد دکن"

دوسرا مکتوب ایڈیٹر کے نام شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ خاں دہلوی کا ہے۔ جو بہ الفاظ ذیل رسالے کو سراہتے ہیں:-

"میں آپکے محبت نامے اور دو رسالوں کے عنایت کرنے کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آفتاب[3] والی ریاست جھالاواڑ کی نظر التفات رہی تو وہ اقلیم سخن میں ایسا ہی درخشاں ہوگا جیسا کہ ہندستان میں سورج جنیوں کا خاندان تاباں ہوا تھا۔ ۲۶ اپریل ۱۹۰۶ء"

اسی طرح ناظم مہتمم بندوبست کشمیر و وزیر لداخ چودھری خوشی محمد خاں اپنے ایک خط میں تحریر کرتے ہیں:-

"آفتاب کا رسالہ مجھے بہت پسند ہے۔ اس میں بہت سے بیش قیمت اور مفید عام مضامین شائع ہوتے ہیں جو صرف لٹریری طراری نہیں بلکہ معلومات مفید کے اعتبار سے بہت قابل قدر ہیں اور طلبا کے لئے بھی نہایت مفید ہیں۔ غزلیات کی نسبت جو سادہ نیچرل نظموں کا سلسلہ آپ نے ایجاد کیا ہے نہایت مفید ہے۔ غزلیات نے طوفان بے تمیزی سے لٹریچر کی کوئی خدمت مقصود نہیں۔"

مذکور الصدر اقتباسات "جائزۂ زبان اردو" مرتبہ مولوی عبدالحق اور شائع کردہ انجمن ترقی اردو سے نقل کئے گئے ہیں۔ ان سے رسالے کی اہمیت اور اپنے پہلے دور (۱۹۰۶ء سے ۱۹۰۹ء تک) میں مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ظاہر ظہور نو عمر ہوتے ہوئے اس نے بزرگان ادب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ اس عہد میں رسالے کا بیرون ہند پہنچنا بھی پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے جس کی کھلی ہوئی وجہ یہ تھی کہ مہاراجہ کا حلقۂ احباب اندرون ہند کی طرح بیرون ہند بھی پھیلا ہوا تھا۔ جہاں جہاں ان سے متعارف ہندوستانی یا اردو داں غیر ہندستانی موجود ہوتے وہاں پرچہ ضرور بھجوایا جاتا چنانچہ اس طریقۂ کار سے باہر کے لوگ بھی پرچے سے بخوبی واقف تھے اور مضامین کے لحاظ سے اس کی وقعت کرتے تھے۔ تیسرے دور میں بھی یہی بنیادی استحکام آغا شاعر قزلباش کے لئے یقیناً ممد و معاون ثابت ہوا ہوگا۔

محولہ مضمون میں آفتاب کا دفتر "قلعہ جھارا پاٹن" میں بتایا گیا ہے جبکہ معتبر و بیشتر جدید کتب میں اس مقام کا نام "جھالرا پاٹن" مرقوم ہے۔ جو "جھالرا" نام ایک چشمے کے نام پر مشہور ہے۔ پہلے یہ مقام ریاست کوٹہ میں شامل تھا ۱۸۳۸ء میں راجپوتوں کے "جھالا" خاندان کی نسبت سے جھالاواڑ نام کی علیحدہ ریاست کا جب وجود عمل میں آیا تو بلحاظ محل وقوع و آبادی اسی مقام کو راجدھانی بنانے کی عزت دی گئی۔ ۱۸۹۳ء اور ۱۹۰۹ء کے رسائل "پیام یار لکھنؤ" میں اس جگہ کے بعض شاعر و شاعرات کا کلام بھی پیش نظر ہے۔ ان کے پتوں میں بھی مقام کا نام "جھالرا پاٹن" لکھا ہوا ہے۔ نیز صاحب مضمون نے بھی آگے چل کر یہ نام بتایا ہے۔ ایسی صورت میں نہیں کہا جا سکتا کہ "جھارا پاٹن" نام مرقومہ مضمون کہاں سے لیا گیا ہے۔ (قاضی معراج دھولپوری)

[1] سید محمد حسین رضوی کی زیر ادارت تین جلدیں پوری ہو چکی تھیں اور چوتھی جلد شروع ہوئی تھی چنانچہ "شاعری کی کایا پلٹ" کے ایڈیٹر نے تین چار سال لکھا ہے۔ اس کا ۱۹۰۹ء تک عالم وجود میں رہنا پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ [2] جناب نادم سیتاپوری نے رسالے کے دوسرے دور کا آغاز مارچ ۱۹۱۰ء سے بتایا ہے جو اس جن تتبع اور مقامی شہادت سے مستند ہو جاتا ہے۔ [3] مراد اس سے جھالاواڑ نریش ہیں۔

[illegible] سے شائع کیا۔